سزائے شتمِ رسول.....عقل اور روایت کے میزان میں

مولانا احسن احمد عبدالشکور

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی صلاح وفلاح کے لیے جو راستہ متعیّن کیا ہے، وہ صرف ایک اور متعیّن ہے، کئی اور متعدد نہیں ہیں۔ اور یہ متعیّن راہ نامکمّل اور ادھورا نہیں ہے۔ بلکہ ہر شعبۂ زندگی، جہاتِ دنیا کے ہر ہر پہلو پر حاوی ہے۔ غرض زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تشنہ ہو۔ ارشادِ ربّانی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً.

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمّل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمھارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا۔ (المائدہ، ۳)

دیکھا جائے تو اس ایک آیت میں تین دعوے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا انسانیت کے لیے پسند کردہ راستہ ''دینِ اسلام'' ہی ہے۔

۲۔ اسلام ایک مکمل دین ہے۔

۳۔ چونکہ دینِ اسلام ایک پورا ضابطہ ہے۔ لہٰذا اس آیت کی روشنی میں اسلام کے سِوا کسی اور راہ، جسے اسلام کا متبادل قرار دیا جا سکے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہی دعویٰ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بھی منقول ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَ مَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ.

ترجمہ: جو شخص اسلام کے سِوا کوئی اور دین ڈھونڈے گا تو اس سے (وہ دین) ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران، ۸۰)

اب دیکھنا یہ ہے کہ دین ہے کیا۔ تو معلوم ہے کہ دین ''عقائد واعمال'' کے مجموعہ کا نام ہے، اعمال کے مختلف شعبے ہیں، اچھے اعمال کو اخلاق بھی کہتے ہیں۔ اخلاق جن جن کیفیات کا نام ہے، ان میں سے ایک کیفیت وہ ہے جسے عبادت کہتے ہیں۔ عبادت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ''مُنعِم'' سے محبت ہو۔ اور ولی نعمت کے سامنے ضرورت مندانہ حالت میں عجز و بے چارگی کا مظاہرہ ہو۔ قوموں اور ملّتوں کے صدہا اختلافات کے باوجود، اس مرکزی نقطہ پر اتفاق ہے۔

اگر اختلاف ہے تو ولیِ نعمت کی تعیین اور اظہار محبت کے پیمانوں میں ہے۔

طبیعیین (نیچری) نعمتوں کا سرچشمہ ''عناصر'' کو سمجھتے ہیں۔

صائبین کواکب کی حرکتوں سے اس کا جوڑ لگاتے ہیں۔

مشرکانہ ذہن نعمتوں کی اس فراوانی میں سب کو تو نہیں مگر کچھ کو اپنے من گھڑت اور خانہ ساز شریکوں کا اثر قرار دیتا ہے۔

اور نبوت کا نظریہ، یہاں بالکل صاف اور واضح ہے کہ:

> ''ہستی کی گود میں، جو کچھ، جتنا کچھ اور جیسا کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ بلاشرکتِ غیرے اللہ جلّ جلالہٗ کی کارفرمائی ہے۔ اسی موڑ پر پھسل جانے والے گمراہ ہوئے ہیں۔ موٹی سے موٹی بات یہ کہ اللہ جلّ شانہٗ کی ذات میں مخلوق کی صفات کا پَرتو یا مخلوق میں واجبی اوصاف کی جھلک دیکھنا تمام برائیوں کی جڑ اور تمام غلط عقیدوں کا سرچشمہ ہے۔''

اسی طرح مذکورہ بالا اظہار محبت یعنی عبادت کے بارے میں اہلِ اسلام جو کچھ جانتے ہیں وہ یہی ہے کہ اسلام میں عبادت کے عبادت ہونے کے لیے دو بنیادی شرطیں ہیں۔

۱۔ اِخلاص۔　　۲۔ اتباعِ سنّت

عبادت اِس کے سوا کچھ نہیں کہ اِنعامات کی بے پایاں بارش دیکھ کر خواہ مخواہ آدمی تو آدمی، حیوانات میں بھی وجدانی طور پر ایسی محبت پیدا ہو جاتی ہے جس میں اپنی نیاز مندی اور منعم کی عظمت کی آمیزش ہوتی ہے۔ اسی تعظیم وتذلّل کے امتزاجی پیمانہ سے عبادت کی قسمیں بنتی ہیں۔

اسی لیے اصل عبادت تو اللہ جلّ شانہٗ کی محبت ہے۔ نہ صرف محبت بلکہ بلاشرکت غیرے محبت اللہ جلّ شانہٗ کی عبادت ہے۔ اس کے ساتھ کسی سے بھی محبت نہیں ہوسکتی۔ محبت اگر کسی سے ہوسکتی ہے تو صرف اُس کی خاطر ہوسکتی ہے۔ مثلاً انبیاء واولیاء سے اِسی لیے تو محبت ہوتی ہے کہ وہ اللہ والے ہوتے ہیں۔

پھر وہ اخلاقی پیمانہ جسے عبادت کا جامہ پہنا کر، ہم اپنے مُنعم (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ) سے محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، اس کا ظاہری لبادہ ایک معلوم ومعروف نمونہ ہے۔ جسے عام زبان میں ہر کوئی اتّباعِ سنّت کے نام سے جانتا اور پہچانتا ہے۔ اور سنّت کا منبع ''ذاتِ نبوت ورسالت'' ہے۔ اور معلوم ہو چکا کہ عبادت فقط چند رسمی حرکتوں کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت اپنے مُنعم (پیارے رب اللہ تعالیٰ) سے محبت اور اپنی جذباتی دل بستگی کا اظہار ہے۔ اور یہ اظہار ''اتّباع سنّت'' سے مقیّد ہے۔ اور اس حد تک مقیّد ہے کہ اس کے بغیر کوئی حرکت بھی عبادت نہیں بن سکتی۔ بلکہ عبادت کے نام پر کی جانے والی کوئی سی کوشش ناقابل پذیرائی رہتی ہے۔ تو ضروری ہوا کہ اللہ کی عبادت میں جس گرامی ذات کو معیار بنایا گیا ہے، ہماری محبتوں کا محور وہ ذاتِ گرامی بھی

بنے۔ اوراس ذاتِ گرامی قدر کی عزت واحترام ہماری جان سے زیادہ اہم اور محبوب ہو۔ اور (خدانخواستہ) محبوب کی توہین، ہماری اپنی عزتِ نفس سے زیادہ گراں اور ہماری غیرت وخودداری کے لیے شدید ناقابلِ برداشت ہو۔

چونکہ عبادت کی حقیقت ''غایتِ محبت'' ہے، اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور محبت کا کوئی مرحلہ بغیر اَوامر کی اتبّاع اور نواہی سے اجتناب کے پورا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے نبوّت کی اتبّاع ہی کو مدّعیانِ محبت کے لیے سچائی کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ أَنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

ترجمہ: کہہ دیجیے اگر تم چاہتے ہو اللہ کے محبوب ہو جاؤ تو میری اتبّاع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ (آل عمران،۳:۳۱)

اللہ سے محبت کی لازمی شرط ''اتبّاعِ رسول'' بتائی گئی ہے۔ چونکہ شرط کے بغیر مشروط بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اتبّاع نہ ہونے کی صورت میں محبت کا ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا کوئی شخص ولایت ومعرفت اور عشقِ الٰہی کی راہوں میں بغیر اتبّاعِ نبوی کے چل ہی نہیں سکتا۔

ہماری یہ گزارشات شاعری نہیں، ٹھوس منطقی حقائق ہیں۔ ہماری محبتوں کا محور، ہمارے قلبی وذہنی جذبات کا مدار اور مرجع ''اللہ'' اور ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ موضوع بذاتِ خود ایک تفصیل طلب مقالہ ہے، مگر یہاں ہمیں جو ضروری نکات سپردِ قلم کرنے ہیں، ان کا تعلق ''ناموسِ رسالت''، علیٰ صاحبہا افضل التحیۃ والتسلیم سے ہے۔

آدبِ مجلس نبوی علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ.

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونچی آواز میں بات کرو۔ اور نہ ان سے ایسے کُھل کر بولو جیسے تم آپس میں کُھل کر بولتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ہی غارت ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔ (الحجرات،۲)

آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟ روایات بتاتی ہیں کہ واقعہ ایک نہیں بلکہ کئی ایک واقعات پیش آئے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

''عن ابن مليكة قال كاد الخيران أن يهلِكا، أبوبكر و عمر رضى الله عنهما، رَفَعَا أصواتهما عند النبىّ صلى الله عليه وسلم ....فأنزل اللّٰه عزَّ وَجلَّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ......الخ.

ترجمہ: ابومُلَیکہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: دوسرا پا خیر یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما، قریب تھا کہ ہلاکت میں پڑ جاتے۔ ان دونوں نے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آوازیں اونچی کیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو! اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو۔ (بخاری، الجامع الصحیح ۱۸۳۳/۴، برقم ۴۵۶۴۔ کتاب التفسیر)

امام قرطبی لکھتے ہیں:

و ذکر المهدویّ عن علیّ رضی اللّٰه عنه نزل قوله: لا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ.....الآية فينا، لمّا ارتفعت أصواتنا، أنا و جعفرُ و زيد بن حارثة.....الخ.

ترجمہ: مہدوی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے فرمایا: اللہ کا یہ فرمان کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آوازیں اونچی نہ کیا کرو، ہمارے بارے میں نازل ہوئی، جب کہ ہماری یعنی میری، جعفر اور زید بن حارثہ کی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔

(قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۳۰۴/۱۶، سورۃ الحجرات)

بہرحال! اس باب میں وارد قوی روایات کے پیشِ نظر اتنی بات ملحوظ رہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بحث ومباحثہ کی جو صورت بھی پیش آئی اور ان کی آوازیں اونچی ہوئیں، اس سے مقصود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہرگز نہ تھی۔ بلکہ بحث مباحثہ میں اختلاف رائے ہو جانے کی صورت میں لاشعوری طور پر اونچی ہو جانے والی آوازیں تھیں۔

بہ ایں ہمہ چونکہ یہ سب ذات نبوت کی موجودگی میں ہوا تھا، اور مجلس نبوی کے شایانِ شان نہ تھا، لہٰذا "**لا تجهروا**" کا حکم بھی آیا، اور پھر بھی نہ ماننے کی صورت میں ''حبطِ اعمال'' کی وعید بھی۔ کہ اگرچہ تمھارے پیشِ نظر نبوت ورسالت کی بے ادبی نہیں ہے، مگر اس مجلس کے آداب کی رعایت نہ کرنا بھی ایسا جرم ہے جس سے کیے کرائے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

علاّمہ قرطبی رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

وليس الغرض برفع الصوت ولا الجهر ما يقصد به الاستخفاف، والاستهانة، لأن ذٰلک كفر، والمخاطبون مؤمنون.

ترجمہ: اس آیت میں جس بلند آواز سے منع کیا گیا ہے وہ ایسی بلند آواز نہیں ہے جس کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (معاذ اللہ) استخفاف اور اہانت ہو۔ کیونکہ ایسی بلند آواز تو کفر ہے، اور یہ خطاب ہی اہلِ ایمان کو ہے۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۷۰۳/۱۶، سورۃ الحجرات۔)

آدابِ مجلس رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مستقل باب ہے، جس کی تفصیلات کا بیان خود اللہ جلّ جلالہٗ نے سورۂ

حجرات میں کر دیا ہے۔ یہاں مقصود نمونہ دکھانا تھا جس سے آدابِ نبوی کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ حیاۃ الصحابہ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''درحقیقت رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیضِ تربیت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حسنِ سیرت و کردار کا ایک مکمل نمونہ بنا دیا تھا۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ممکن ہو سکا تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کو خود پر لازم کر لیا تھا''

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ آیت مذکورہ بالا کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''القاعدة المختارة أنَّ أيذائه عليه الصلاة والسّلام يبلغ مبلغ الكفر المحيط للعمل باتفاق ، فورد النهي عمّا هو مظنّة لأذى النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلم ، سوآء وُجد هٰذا المعنىٰ أو لا.'' (آلوسی، روح المعانی، ۱۳۶/۲۶۔ سورۃ الحجرات)

ترجمہ: ''یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قول یا فعل کے ذریعے تکلیف پہنچانا کفر ہے۔ اس سے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اعمال سے منع فرمایا گیا ہے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچنے کا احتمال ہو۔ خواہ یہ بات وجود میں آئی بھی ہو یا نہ ہو۔''

مذکورہ بالا آیات اور ان کی تفسیر سے یہ بات صراحتاً معلوم ہوتی ہے کہ اگر انجانے میں بھی کسی نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت اور تکلیف پہنچائی تو اس کی وجہ سے اس کے تمام عمر کے اعمال پر پانی پھر سکتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دے اور ایذا پہنچائے تو اس کے اعمال ختم ہونا تو ایک طرف رہا، اس کا سیدھا اسلام سے نکل کر کفر کی گود میں جا گرنا زیادہ واضح اور یقینی ہے۔ اعمال تو ختم ہوئے سو ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کرنا جس قدر بڑا عمل ہے، اسی کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور توہین کرنا بے حد گھناؤنا اور قبیح عمل ہے۔

اسی لیے علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ اس انتہائی قبیح حرکت کے بارے میں پوری اُمّت مسلمہ کے طرزِ عمل کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ساری امّت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شان میں گستاخی کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہے، وہ واجب القتل ہے۔''

توہینِ رسالت کی شرعی سزا سے آگاہی سے پہلے اس کی شرعی حیثیت کی عقلی توجیہ ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھیے ماننے کو ''اسلام'' نہ ماننے کو ''کفر'' اور مان کر چھوڑ دینے کو ''ارتداد'' کہتے ہیں۔

ایک مسلمان اسی وقت تک مسلمان ہے جب تک وہ اسلام کو مانتا ہے۔ نہ ماننے والے کو مسلمان نہیں، کافر کہتے ہیں۔ اور مان کر چھوڑ دینے والے کو ''مرتد'' اور اس کے عمل کو ارتداد کہتے ہیں۔ جو اسلام سے بغاوت کا دوسرا نام ہے۔

مقصود کی وضاحت کے لیے ہمیں کسی قدر تفصیل میں جانا ہوگا۔ قرآن حکیم میں اس ''بغاوت'' یعنی ارتداد کا بھی اسی جگہ تذکرہ ہے جہاں اس نے اسلام کا مقیاس اور پیمانہ بتایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ . اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ . خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ . اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

ترجمہ: اللہ کیونکر راہ دے گا ایسے لوگوں کو کہ ایمان لا کر کافر ہو گئے اور اس بات کی گواہی دے کر کہ رسول سچا ہے کافر ہو گئے۔ اور ان کے پاس نشانیاں آئیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کو سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے ان سے نہ عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ان کو فرصت ملے گی۔ مگر جنھوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اس کے بعد نیک کام کیے تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ (آل عمران ۲:۸۶۔۸۹)

ان آیات سے چند اصولی باتوں کا پتہ چلتا ہے

۱۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا بڑا اور کھلا ہوا ظلم اور اختیار کرنے والا انتہائی ظالم ہے۔

۲۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والا نہ صرف اللہ اور اس کے فرشتوں کی رحمت سے دور ہوتا ہے بلکہ وہ انسانی سوسائٹی میں انسانی رحم وکرم سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

۳۔ اس کے لیے توبہ اور واپسی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اصلاح حال کرے تو ماضی کی فروگذاشتیں اللہ کے یہاں کالعدم ہو سکتی ہیں، لیکن اس رخصت کا فائدہ حالتِ کفر میں ہرگز حاصل نہیں سکتا۔

ایک اور جگہ اِرتداد کے تذکرے میں ہے:

وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

ترجمہ: اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جاوے، پھر حالتِ کفر میں مر جاوے، تو ایسوں کے عمل دنیا و آخرت میں ضائع ہوئے۔ اور وہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ ۲:۲۱۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ آخرت میں یہ شخص نہ صرف اصحابِ نار میں سے ہے بلکہ وہاں اس کا مقام خلود (یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنا) ہے۔

۲۔ ایمان کے بعد کے کفر اختیار کرنے سے حبط اعمال کی سزا صرف آخرت میں ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی دی جائے گی۔

۳۔ حبطِ اعمال: یعنی ایک مسلم ہونے کی حیثیت میں اس کے کیے ہوئے سارے اعمال حرفِ غلط ہیں نہ مسلمان عورت سے اس کا نکاح باقی ہے، نہ مسلمان کی وراثت میں اس کا حصہ ہے، نہ تو اس کی قومی وملّی خدمات کا کچھ لحاظ ہوگا نہ ہی اس کا شرف انسانی ومعاشرتی حیثیت کچھ قابل شمار رہے گی۔

ہماری اس گفتگو کا تعلق ''توہینِ رسالت'' سے ہے۔ اور آیات میں جس موضوع کا بیان ہے وہ ''ارتداد'' ہے، یعنی مان کر چھوڑ دینا۔ کہا جا سکتا ہے کہ موضوع مختلف ہو گیا ہے۔ مگر اطمینان رکھیے، ہمیں قارئین کے وقت کی قلّت کا پورا احساس ہے۔ ہم موضوع کے پابند ہیں اور پابند ہی رہیں گے، مگر مسئلہ سطحی اور سرسری نوعیت کا نہیں ہے۔

ارتداد: پہلے گزر چکا ہے کہ مان کر چھوڑ دینے کا نام ہے۔ ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اور مرتد کو قتل کیا جائے گا۔ یہ ایک مسلّمہ ہے۔ گو اس مادر پدر آزاد خیالی کے دور میں اسے بھی نظری بنا کر رد کر دینے کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں، مگر شریعت کا فیصلہ دوٹوک ہے۔

نام نہاد عقلیات کی خوگر طبیعتوں کے لیے برسبیل تذکرہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا جواب نقل کر دینا کافی ہے۔ سوال یہی کیا گیا تھا کہ مرتد کی سزا قتل سے کم کیوں نہیں ہے؟ ڈاکٹر صاحب موصوف نے خطباتِ بہاولپور میں جو جواب دیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ''اسلام میں سیاست دین کا حصہ ہے، دین سے الگ کوئی چیز نہیں۔ اور اسلام سے پھر جانا ایک سیاسی جرم بھی ہے، جسے غدّاری کہتے ہیں، اور غدّار کی سزا کون نہیں جانتا کہ صرف اور صرف موت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں''

اس کے علاوہ قرآن اور دینیات کا ہر طالب علم بہ خوبی جانتا ہے کہ ارتداد جیسا گھناؤنا عمل صاف اور صریح غدّاری ہے، اللہ سے غدّاری، اللہ کے رسول سے غدّاری، اللہ کے دین سے غدّاری۔

حسّی دنیا کی مثال درکار ہو تو آسان تر یوں سمجھ لیں کہ پاکستان آرمی کا کوئی قابلِ ذکر آفیسر دورانِ ملازمت ہی پاکستان چھوڑ کر انڈیا چلا جائے۔

اک صورت یہ کہ وہاں کا خاموش شہری بن کر زندگی گزارے۔ گو اس کا یہ عمل بھی قابلِ گردن زدنی ہے کہ یہ پہلے درجہ کی بغاوت ہے۔ مگر اس سے بھی اگلی، دوسری صورت یہ ہے کہ انڈیا کی فوج میں شامل ہو کر پاکستان کے خلاف لڑائی بھی کرے اور پھر اس سے آگے بڑھ کر سب سے انتہائی درجہ تیسری صورت یہ ہے کہ تحریر وتقریر کے ذریعہ سے نظریۂ پاکستان

کے خلاف بکواس کرے اور علاّمہ اقبال اور محمد علی جناح کے خلاف دل آزار باتیں کرے۔

کہیے! کون عقل مند ہے جو اسے آزادیٔ اظہارِ رائے کا نام دے گا؟ اور کون ہے جو اسے قدرت کے باوجود چھوڑ دے۔ اسے آزادیٔ اظہارِ رائے نہیں بے غیرتی کہتے ہیں۔ اگر عزتِ نفس نام کی کسی چیز کا وجود دنیا میں ہے تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ جیسے تیسے بن پڑے، اس غدّار کو قتل کیا جائے۔

جی ہاں! حسّی دنیا میں یہ مثال سمجھ میں آتی ہے۔ مگر دین و مذہب کے مسئلہ میں ایسے بدیہی نکتے کو مشکوک اور ظنّی بنالیا جاتا ہے۔

ارتداد ہی کی ایک قسم وہ ہے جس کے عناصر ترکیبی اللہ اور اللہ کے رسول کی ایذاء رسانی ہوتے ہیں۔ مرتد کی حیثیت پہلے درجہ کے باغی کی ہے۔ مگر وہ شخص جو توہینِ رسالت کا مرتکب ہو، وہ تو آخری اور انتہائی درجہ کا باغی ہے۔ اسے یقیناً قتل ہونا ہی چاہیے اور اسے معاف کر دینا غیرت ایمانی کی موت ہے اور انسانی فطرت کا وہ جوہر جسے عزتِ نفس کہا جاتا ہے اس کی ناپیدگی کی دلیل ہے۔

بہرحال! مرتد کے لیے جو جو وعیدیں اور عذاب کے وعدے قرآنِ مجید میں ہیں، توہینِ رسالت کا مرتکب بدرجہ اولیٰ اُن کا مصداق ہے۔ کیوں کہ ارتداد جس بغاوت کی ابتدائی سطح ہے، توہینِ رسالت اس بغاوت کی انتہائی اور آخری حد ہے۔ آپ کہیں گے یہ تو دعویٰ ہے اور اپنے ثبوت میں محتاجِ دلیل ہے۔ لیجیے دلیل (بلکہ دلائل) ملاحظہ فرمایئے۔

مدینہ منوّرہ میں چند اوباش لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کیا کرتے اور جھوٹی باتیں اڑایا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں اُنھیں ''ملعون'' قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں، اللہ نے انھیں دُنیا میں پھٹکارا اور آخرت میں ان کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (سورۃ الاحزاب، ۳۳:۵۷) (واضح رہے کہ تقریباً یہی الفاظ مرتد کے معاملے میں وارد ہوئے ہیں۔)

رحمتِ حق سے دوری اور اس دنیا میں انسانی رحم و کرم سے محرومی کو قرآن میں کہیں لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلآئِکَۃِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْن اور کسی جگہ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ سے تعبیر فرمایا ہے۔ بات ایک ہے مگر اندازِ بیان مختلف ہے۔

باغی خواہ ابتدائی درجہ کا ہو..... جیسے صرف اسلام سے نکل جانے والا، خواہ انتہائی درجہ تک جا پہنچا ہو..... جیسے توہینِ رسالت کا مرتکب، بلاشبہ ملعون ہے۔ جسے دنیا میں نہ تو اللہ کی رحمت سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ ہی یہ بدنہاد اس لائق ہے کہ اس کے ساتھ انسانوں کی طرف سے رحم و کرم کا معاملہ روا رکھا جائے۔

قرآن مجید نے ملعون کے بارے میں جو ضابطہ بیان کیا ہے بلاشبہ ارتداد کی ابتدا سے لے کر توہینِ رسالت کی انتہائی شکل تک تمام صورتیں اس میں داخل ہیں۔ مرتد اور شاتم کی ملعونیت پر قرآن کی سب سے بڑی شہادت یہ ہے:

''أُولٰئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْن.

ترجمہ: ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔ (سورۃ آل عمران، ۳:۸۷)

اور ملعون کے بارے میں جو ضابطہ قرآن نے بتایا ہے:

مَلْعُوْنِیْنَ أَیْنَمَا ثُقِّفُوا أُخِذُوا وَ قُتِّلُوا تَقْتِیْلاً.

ترجمہ: پھٹکارے ہوئے (ملعون لوگ) جہاں پائے جائیں، انھیں پکڑ لیا جائے اور انھیں جان سے مار دیا جائے۔ (سورۃ الاحزاب، ۳۳:۶۱)

مزید برآں قرآن و دینیات کا ہر طالب علم بہ خوبی یہ بات جانتا ہوگا کہ ارتداد اور توہینِ رسالت کی غلاظت سے اپنے آپ کو آلودہ کرنے والا شخص اپنے عقائد گفتار اور کردار سے اللہ اور اللہ کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہے۔ اسی معنوی حالت کو قرآن کی زبان میں مشاقّہ اور محادّہ کہتے ہیں۔ اور یہی حالت جب میدانِ عمل میں رونما ہوتی ہے تو ''محاربہ'' کہلاتی ہے۔ قرآن نے اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کرنے والوں کی جو سزا تجویز کی ہے وہ سورۂ مائدہ میں موجود ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ.

ترجمہ: یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں زمین میں فساد کرنے کو، کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں، یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کر دیے جاویں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (سورۃ المائدۃ، ۵:۳۳)

یُّقَتَّلُوْٓا کے لفظ پر توجہ فرمایئے کہ قرآن مجید ملعون کو سوسائٹی کے لیے جس قدر خطرناک سمجھتا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ ملعون کے صرف قتل ہی کو نہیں کہتا بلکہ اس کا مطالبہ انھیں بوٹی بوٹی کر دینے کا ہے۔

مرتد اور شاتم رسول دونوں کے جرم کی نوعیت ایک ہے، فرق ہے تو صرف یہ کہ ارتداد گو بہت گھناؤنا جرم ہے۔ مگر پھر بھی یہ بغاوت کا پہلا قدم ہے۔ اور توہینِ رسالت اور شتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو بغاوت کی آخری سرحد ہے جس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ اس کی سزا بس تقتیل (بوٹی بوٹی کر دینے کی) ہے اب دین یہی کہتا ہے کہ زمین کو اس نجس وجود سے پاک کر دیا جائے۔ جن لوگوں کو عربی زبان کے اسالیب سے تھوڑی سی واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ قتل اور تقتیل میں کیا جوہری فرق ہے۔

بدامنی پھیلانا، فساد کرنا، دنگا کرنا ایسے الفاظ ہیں جن سے کفار کے حملے رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل، لوٹ مار، شہری زندگی کی سب مجرمانہ سازشیں مراد ہوسکتی ہیں، مگر سورۂ مائدہ میں ارتداد اور توہینِ رسالت جیسے جرم کے لیے سب سے جدا تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ **اَلَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ** اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ سے مراد ارتداد اور توہینِ رسالت ہونا تو بالکل بدیہی اور سامنے کی بات ہے۔ اس لیے اس آیت کے نہ صرف یہ کہ عموم میں باغی کی سزا کا ذکر ہے بلکہ **یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہ** کا ٹھیٹھ مصداق ہی بغاوت کرنے والا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت خواہ انکار کر کے مرتد کی صورت میں ہو یا پھر توہین کر کے شاتم کی صورت میں، آیت کے مدلول سے اس کو نکال دینا اور اس جرم سے کم تر برائیوں کو اس آیت کا مصداق بتانا یقیناً دھونس، دعوائے بے دلیل اور بے بات کی بات ہے۔

جیسے کسی مؤمن کے قاتل کی سزا قرآن میں الگ سے بیان نہیں کی گئی، بلکہ اسے **کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی** (سورۃ البقرہ، ۲: ۱۷۸) کے عموم میں بیان کیا گیا ہے۔

بالکل اسی طرح مرتد اور شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا اگرچہ خصوصاً ''مرتد'' اور ''شاتم'' کا نام لے کر اور خاص لفظ بول کر بیان نہیں ہوئی لیکن اسے **یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہ** کے عموم میں داخل کر لیا گیا ہے۔

اور بالکل ایسے ہی اگر ایک جگہ لعنت غضب اور عذابِ عظیم سے مؤمن کے قاتل کے لیے قتل کی سزا مقرر ہوئی ہے، تو دوسری جگہ انھی اوصاف (لعنت، غضب اور عذابِ عظیم) سے مرتد اور شاتم کے لیے بھی صرف قتل نہیں بلکہ تقتیل (یعنی بوٹیاں اڑا دینا) تجویز ہوا ہے۔

اور یہ تو قرآن کی ان دستوری دفعات میں سے ہے جس کو ہر مکتبِ فکر کے اساتذہ اور علماء آغازِ اسلام سے اب تک مانتے آئے ہیں۔ کیا کوئی شخص خلافِ قرآن یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ ایمان سے گریز پائی اختیار کرنے والا یا ایمانی اقدار خصوصاً ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑانے والا ملعون مغضوب علیہ اور معذَّب بہ عذابِ عظیم نہیں ہے۔ اگر ہے، اور یقیناً ہے تو پھر اس توہینِ رسالت سے پیدا شدہ نتائج (یعنی اجراءِ حد اور تقتیل) کا انکار یقیناً بے سند اور بے بنیاد اور خود رائی کا شاخسانہ ہے۔

ایک سوال البتہ قابلِ غور ہے کہ کیا اللہ کے دین کے مقابلے میں اشخاص قابلِ رحم ہیں؟ اور جذبۂ ترحّم انسانی کو ان حدود کی پامالی کرنے کی گنجائش ہے؟ (جیسا کہ پنجاب کے سابق گورنر آنجہانی سلمان تاثیر کا کہنا تھا کہ یہ مسئلہ مذہبی نہیں انسانی بنیادوں پر حل کرواؤں گا)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں قرآن نے زنا جیسی نسبتاً کمتر اخلاقی شناعت میں ایمان والوں سے مطالبہ کیا تھا، کہ اللہ پر

یقین ہے تو اس کے احکام اور حدود کو جاری کرنے میں کوئی پس وپیش نہ کرو گے۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا روک لو یا اس میں کمی کر لو، یا سزا دینے کا کوئی ایسا غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا، سزا نہ رہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ. (سورۃ النور، ۲:۲۴)

ترجمہ: اور اللہ کا حکم چلانے میں تم کو ان پر ترس نہ آئے، اگر تم اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہو۔

سزا کے اعتبار سے دین سے بغاوت، بہر حال بغاوت ہے مگر فی نفسہٖ اس کے بھی درجات ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اگر ارتداد کا جرم بغاوت کی شدید تر حالت ہے، تو سبّ وشتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور توہینِ رسالت بغاوت کی شدید ترین حالت ہے۔

☆.....☆.....☆

احرار فاؤنڈیشن

احرار فاؤنڈیشن پاکستان کی سلسلہ وار مطبوعات کا نظم کچھ عرصہ تعطل کے بعد دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے۔ بخاری اکیڈمی ملتان اور مکتبہ معاویہ چیچہ وطنی کے تعاون سے الحمد للہ درج ذیل کتب پر کام شروع کر دیا گیا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ حسبِ توفیق وترتیب یہ کتب شائع ہوں گی۔ ان کتب کے حوالے سے جن دوستوں اور قارئین کے پاس جو مواد ہو وہ براہِ کرم عنایت فرمائیں، اطلاع دیں اور تجاویز وسرپرستی سے نوازیں۔ شکریہ!

☆ مضامین ختم نبوت　☆ سید الاحرار (طبع دوم)　☆ اعتقادات مرزا

☆ خانقاہ سراجیہ اور مجلس احرار اسلام مع تحریک ختم نبوت منزل بہ منزل

از شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتدوین: عبد اللطیف خالد چیمہ

رابطہ کار: مکتبہ معاویہ، جامع مسجد روڈ چیچہ وطنی (ضلع ساہیوال) فون: 040-5485953